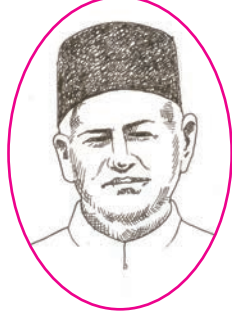


مرزا فرحت اللہ بیگ

(1884 – 1947)



مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج سے 1905 میں بی۔اے پاس کیا۔ 1907 میں وہ حیدر آباد گئے اور مختلف ملازمتوں پر مامور رہے اور ترقی کرتے کرتے اسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ 1919 میں انھوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ ”افادہ“ آگرہ میں لکھا۔ اور 1923 سے باقاعدہ مضامین لکھنے لگے۔ انھوں نے تنقید، افسانہ، سوانح حیات، معاشرت اور اخلاق ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا اور اچھا لکھا لیکن ان کے مزاحیہ مضامین سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین سات جلدوں میں ’مضامین فرحت‘ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ نظم کا مجموعہ ’میری شاعری‘ کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔

ہنسنے اور ہنسانے کا کوئی اصول مقرر نہیں ہو سکتا۔ تمام مزاح نگار اپنا انداز جدا رکھتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا بھی ایک مخصوص رنگ ہے جسے عظمت اللہ بیگ نے ”خوش مذاقی“ کہا ہے۔ خوش مذاقی میں قہقہے کے مواقع کم اور تبسم کے زیادہ ملتے ہیں۔ ان کے یہاں ایسا انبساط ملتا ہے جسے دیر پا کہا جاسکتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی مزاح نگاری میں دلی کے روزمرہ اور محاورات کا لطف پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر ایسے محاورات اور الفاظ اپنی تحریر میں لاتے ہیں جو دلی کے لوگ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون ان کی انہیں خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔



5286CH10

پھول والوں کی سیر

یہ جڑوں ہی کی مضبوطی تھی کہ دلی کا سرسبز و شاداب چمن اگرچہ حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں پائمال ہو چکا تھا پھر بھی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس برائے نام بادشاہ کو تخت سے اتار کر دلی کو اپنی سلطنت میں شریک کرے۔ دلی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہو گیا مگر جو عقیدت رعایا کو بادشاہ سے تھی اُس میں ذرہ برابر فرق نہ آیا اور جو محبت بادشاہ کو رعایا سے تھی وہ جیسی کی ویسی رہی۔ رعایا کی وہ کون سی خوشی تھی جس میں بادشاہ حصہ نہ لیتے ہوں اور بادشاہ کا وہ کون سا رنج تھا جس میں رعایا شریک نہ ہوتی ہو۔ بات یہ تھی کہ دونوں جانتے اور سمجھتے تھے کہ جو ہم ہیں وہ یہ ہیں اور جو یہ ہیں وہ ہم ہیں۔

اگر یہ دیکھنا ہو کہ اس زمانہ میں پھول والوں کی سیر کیسی ہوتی تھی تو ذرا آنکھیں بند کر لیجیے۔ میں دکھائے دیتا ہوں۔ قلعہ والوں کی یہ حالت تھی کہ گویا شادی رچی ہوئی ہے۔ چوڑی والیاں بیٹھی دھانی چوڑیاں پہنا رہی ہیں۔ رنگریزیں سُرخ دوپٹے رنگ رہی ہیں۔ کہیں مہندی پس رہی ہے۔ کہیں کڑاھیاں نکالی جا رہی ہیں۔ کہاں کا کھانا اور کہاں کا سونا۔ اسی گڑبڑ میں رات کے بارہ بجادیے۔ کوئی دو بجے ہوں گے

کہ سواری کا بگل ہوا۔ قلعہ کے لاہوری

دروازہ کے سامنے نوبت خانہ سے ملا ہوا

جو میدان ہے۔ اس میں سواریاں

آلگیں۔ تین سواتین بجے ہوں گے

کہ پہلی رتھ روانہ ہوئی۔ آگے آگے

رتھیں اُن کے پیچھے دوسری سواریاں

سب سے آخر میں نواب زینت

محل کا سکھپال۔ لاہوری دروازہ پر

سواری پہنچی تھی کہ کپتان ڈگلس



قلعدار نے اتر کر سلامی دی۔ دروازہ کے باہر سے دگلہ پلٹن کا ایک پرا آگے ہولیا اور ایک پیچھے، شہزادیوں کی سواری کے ادھر ادھر قلمانیان مردانہ لباس پہنے کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، ساتوں ہتھیار سجائے ساتھ ہوئیں۔ بیگمات کی سواریوں کو ترکوں کی پلٹنوں نے بیچ میں لیا۔ ان کا بھی مردانہ فوجی لباس، گورے گورے چہرے۔ شانوں پر کاکلیں پڑی ہوئیں۔ سر پر چھوٹا سا عمامہ، پہلو میں تلوار، ڈاب میں پیش قبض بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ ترکوں کی فوج دلی میں گھس آئی ہے۔ نواب زینت محل کی سواری کا بڑا ٹھٹھا تھا۔

غرض سواری مبارک ان سڑکوں پر سے گزر کر دلی دروازہ پہنچی۔ محافظوں نے سلامی دی اور جلوس سلطان جی کی سڑک پر پڑ لیا۔ سورج نکلنے سے پہلے پہلے سواری پرانے قلعہ پہنچ گئی۔ شیرشاہ کی مسجد کے سامنے ہوا دار رکھا گیا۔ بادشاہ سلامت نے مسجد میں نماز پڑھی۔ وظیفہ پڑھا۔ کوئی گھنٹہ آدھ گھنٹہ قیام کر کے یہاں سے سواری بڑھی اور ابھی دن پوری طرح نہ نکلا تھا کہ ہمایوں کے مقبرہ پہنچ گئی۔ درگاہ شریف قریب ہی ہے۔ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ دلی والوں کو خاص اس درگاہ سے جو عقیدت ہے وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ کسی قوم اور کسی ملت کا آدمی نہیں جو اس چوکھٹ پر سر نہ جھکاتا ہو اور کوئی بد نصیب ہی ہوگا جو یہاں سے نامراد جاتا ہو۔

گرم گرم پکوان آرہا ہے، لوگ کھارہے ہیں۔ جھولا جھول رہے ہیں۔ کوئی اندر سے کی گولیاں منہ میں دبائے ہے۔ کسی کے حلق میں بیسن کی پھلکی پھنس گئی ہے۔ سانس رکا جاتا ہے۔ مینہ برس کر نکل گیا تھا۔ پھر بھی پانی کی بوندیں درختوں میں سے ٹپ ٹپ گر رہی تھیں۔ ادھر بوند کڑاہی میں گری۔ تیل اڑا۔ ادھر کسی کے منہ سے اوئی کی آواز نکلی۔ کسی کے ہاتھ پر چھینٹا پڑا۔ کوئی اوئی تو بہ ہے، کہہ کر رہ گئی۔ کوئی کلمہ سہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسروں نے پھر پکڑ یہ کہہ بٹھالیا کہ واہ بوا، نوج کوئی ایسا نازک بن جائے۔ چھینٹا پڑتا ہی ہے۔ یوں کڑہائی چھوڑ کر کوئی نہیں اٹھ کھڑا ہوتا۔

مہرولی کے بازار کی کچھ نہ پوچھو۔ اس سرے سے اس سرے تک سارا آئینہ بند تھا۔ دنیا بھر کے سودے والوں کی دکانیں لگ گئی تھیں۔ میوے مٹھائیوں اور کھلونوں سے بازار پٹا پڑا تھا۔ ایک طرف حلوائیوں کے ہاں پوریاں کچوریاں، بیوڑیاں، سہال اور اندر سے تلے جارہے تھے تو دوسری طرف کبابوں، پراٹھوں، بریانی، مزعفر، مٹنجن کی خوشبو سے سارا بازار بڑا مہک رہا تھا۔ گاہک کہ ٹوٹے پڑتے ہیں۔ لیا کھایا۔ پتے وہیں پھینک آگے بڑھے۔ پنواڑن کی دکان پر پہنچے بی پنواڑن ہیں کہ بالوں میں تیل ڈالے کنگھی کیے، آنکھوں میں سرمہ لگائے، دانتوں میں مسی ملے، بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھی پان بنا رہی ہیں۔ یار لوگوں نے پان لیے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے۔ پیک تھوکی، آگے بڑھے۔ پھول والوں کی دکانوں سے گجرے لیے، گلے میں ڈالے۔ ساتی کے پاس ٹھہرے۔ ایک دو پیسے دیے۔ آگے قدم بڑھایا۔ ساتی کارنگ بھی آج کچھ نیا ہے۔

غرض خلقت کا یہ ہجوم پھوار میں بھگتا خس کے پکچھے جھلتا۔ آہستہ آہستہ مہرولی کی سڑک پر سے گزرا۔ یہ جلوس شاہی

دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ بادشاہ سلامت اوپر کی بارہ دری میں برآمد ہوئے۔ بیگمات کے لیے چلمنیں پڑ گئیں۔ اب ساری بھیڑ سمٹ سمٹا کر باب ظفر کے سامنے آگئی۔ پھانک کے سامنے بڑا کھلا میدان تھا۔ یہاں باجے والوں نے اپنے کمال دکھائے۔ اکھاڑے والوں نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ سب کو حسب مراتب انعام ملا۔ کسی کو سیلا ملا۔ کسی کو دو شالہ ملا۔ کسی کو مندریل ملی۔ کسی کو کڑے ملے۔ اتنے میں پنکھا بھی سامنے آگیا۔ شہر کے شرفا اور امرا مجرا بجالائے۔ اوپر سے سارے مجمع پر گلاب پاشوں سے گلاب اور کیوڑہ چھڑکا گیا۔ عطر اور پان سے تواضع کی گئی۔ بادشاہ کے اشارہ کرتے ہی ولی عہد بہادر نیچے اتر آئے۔ لوگوں کے گلے میں پھولوں کے کنٹھ ڈال کر سب کو رخصت کیا۔ یہاں سے سلاطین زادے اور شہزادے بھی جلوس کے ساتھ ساتھ ہو گئے۔ کوئی بارہ بجے ہوں گے کہ پنکھا جوگ مایا جی پہنچ گیا۔

خیر، درگاہ شریف تو قریب ہی تھی۔ لوگ دس بجے پنکھا چڑھا کر فارغ ہو گئے اور یہاں سے نکل سیدھے سمنشی تالاب پہنچے۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ سلامت کی سواری بھی آگئی۔ بیگمات کے لیے جہاز پر چلمنیں پڑ گئیں وہ اندر جا بیٹھیں۔ بادشاہ سلامت نے مہتابی پر جلوس کیا۔ مصاحبوں اور دہلی کے اکثر امرا و شرفا کو اوپر بلا لیا گیا۔ سارے سیلانی تالاب کے کنارے جم گئے۔ تالاب میں سینکڑوں کشتیاں، بجرے اور نواڑے پہلے ہی سے پڑ گئے تھے۔ آدھوں میں شاہی آتش باز سوار ہو کر ایک طرف چلے گئے۔ آتش بازی کی چمک سے سارا تالاب اور کنارے روشن ہو جاتے تھے اور پانی میں روشنی کے عکس۔ کشتیوں کے سائے، کناروں پر خلقت کے جھوم، ان کے غل۔ آتش بازی کے عکس سے ان کے زرد زرد چہروں اور اوپر دھوؤں کے بادلوں نے ایک عجیب خوفناک منظر پیدا کر دیا تھا۔

غرض دو بجے کے قریب آتش بازی ختم ہوئی۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے شال دو شالے، مندیلیں اور سیلے تقسیم ہوئے۔ کہیں تین بجے جا کر لوگوں کو فرصت ہوئی۔ سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا پڑے۔ بادشاہ سلامت کی سواری رات ہی کو قطب سے نکل گئی اور روشن چراغ دہلی ہوتی ہوئی تیسرے پہر تک دہلی آگئی۔ دوسرے روز لوگوں نے صبح ہی صبح اٹھ میوے، مٹھائیاں، پراٹھے، چھلے اور کھلونے خریدے۔ ٹھنڈے ٹھنڈے نکل اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ شام تک مہرولی سنسان اور دہلی آباد ہو گئی۔

(مرزا فرحت اللہ بیگ)

مشق

لفظ و معنی

سرسبز	:	ہرا بھرا
چمن	:	باغ
حوادث	:	حادثے کی جمع
پائمال	:	پاؤں سے روندنا ہوا
اقتدار	:	حکومت
نوبت خانہ	:	جہاں نوبت بجے
سکھپال	:	ایک قسم کی پاکی
پرا	:	فوج کی ٹکڑی
قلمانیاں	:	سپاہی پیشہ عورتوں کا ایک دستہ
کاکل	:	بال
ڈاب	:	کمر بند
پیش قبض	:	خنجر، چھرا
ہوادار	:	ایک قسم کی سواری جسے کہا راٹھاتے ہیں
عقیدت	:	احترام
اندر سے	:	چاول اور تیل سے بنی مٹھائی
کٹہ	:	گال

نوج	:	عورتوں کے روزمرہ میں شامل جس سے ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔
سہال	:	ایک قسم کی تلی ہوئی میٹھی روٹی
مزعفر	:	زعفرانی رنگ کا میٹھا پلاؤ
تنجن	:	میٹھا پلاؤ
ساقی	:	ہتھ پلانے والا
خلقت	:	مخلوق
خس	:	خوش بودار گھاس کی جڑ
بارہ دری	:	بارہ دروازوں والا مکان
چلمن	:	چق، تیلیوں کا بنا ہوا پردہ
سیلا	:	رومال
دو شالہ	:	بڑی اونچی چادر
مندیل	:	میز پوش، رومال
گلاب پاش	:	وہ صراحی نما برتن جس میں عرقِ گلاب بھر کر چھڑکتے ہیں
کنٹھ	:	گلا
مہتابی	:	اونچا چبوترا
مصاحب	:	بادشاہ یا حکمران کے خاص دوست
سیلانی	:	گشت کا شوقین
بجرے	:	(بجرا کی جمع) کشتی
نواڑے	:	ایک قسم کی کشتی
آتش باز	:	آتش بازی بنانے والا
چھلے	:	چھلا کی جمع، انگوٹھی

سوالات

- 1- آخری مغل بادشاہ کے دور کی دلی کی کیا خصوصیات تھیں؟
- 2- مصنف نے پھول والوں کی سیر کا کیا منظر پیش کیا ہے؟
- 3- مہرولی کے بازار کا کیا نقشہ تھا؟
- 4- جلوس نے بادشاہ سے کیا انعام پایا؟
- 5- مہرولی میں شاہی دروازہ پہنچ کر باب ظفر کا کیا منظر پیش کیا گیا ہے؟
- 6- جوگ مایا مندر اور درگاہ شریف کا پھول والوں کی سیر سے کیا خاص تعلق ہے؟
- 7- شمسی تالاب پر پھول والوں کی سیر کا کیا جشن ہوتا تھا؟

زبان وقواعد

- ☆ نیچے لکھے جملوں کی وضاحت کیجیے۔
- دلی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہو گیا مگر جو عقیدت رعایا کو بادشاہ سے تھی، اس میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔
 - مہرولی کے بازار کی کچھ نہ پوچھو۔ اس سرے سے اس سرے تک سارا آئینہ بند تھا۔ میوے مٹھائیوں اور کھلونوں سے بازار پٹا پڑا تھا۔ کبابوں، پراٹھوں، بریانی، مزعفر، تجن سے سارا بازار مہک رہا تھا۔
 - بادشاہ سلامت اوپر کی بارہ دری میں برآمد ہوئے۔ بیگمات کے لیے چلمنیں پڑ گئیں۔ اب ساری بھیڑ سمٹ سمٹا کر باب ظفر کے سامنے آ گئی۔
 - بادشاہ سلامت نے مہتابی پر جلوس کیا۔ مصاحبوں اور دہلی کے اکثر امرا و شرفا کو اوپر بلایا گیا۔ سارے سیلانی تالاب کے کنارے جم گئے۔
- ☆ نیچے لکھے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

پائمال ہونا	آنکھیں بند کرنا	ٹھٹھا ہونا	سر جھکانا	نامراد جانا
آئینہ بند ہونا	پٹا پڑا ہونا	ٹوٹ پڑنا	مجرابجالانا	

غور کرنے کی بات

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی کے رہنے والے تھے۔ انھیں دہلی کی زبان پر قدرت حاصل تھی۔ اس مضمون میں اس دور کی دلی کی تہذیبی اور معاشرتی جھلکیاں اپنی بہار دکھاتی ہیں۔ بادشاہ اور رعایا کا باہمی ربط و تعلق اور محبت دیدنی تھی۔ پھول والوں کی سیر کا میلہ ہماری گنگا جمنی تہذیب کا نمونہ ہے۔ یہ روایت آج تک زندہ ہے۔ ہر سال پھول والوں کی سیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہماری تہذیبی روایت کا یہ تسلسل ہمیں قومی، بھائی چارہ اور مساوات کا پیغام دیتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ مضمون تہذیبی اور تاریخی نوعیت کا حامل ہے جس میں اس دور کی دہلی کی زبان، روزمرہ، سیر و تفریح، ماحول، ملبوسات، مشاغل کی تصویریں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں اور گزرا ہوا زمانہ زندہ ہو جاتا ہے۔

عملی کام

- ☆ مصنف نے دلی کی معاشرتی زندگی کی جن مختلف اشیا کا ذکر اس مضمون میں کیا ہے، انہیں اپنے الفاظ میں لکھیے۔
- ☆ موجودہ دور میں پھول والوں کی سیر کی کیا اہمیت ہے؟ مختصراً لکھیے۔